© rasailojaraid.com

تفسیر ''احسن الحدیث'' - ایک مطالعہ

الطاف احمد اعظمی

دنیا کی تقریباً ہر زبان میں قرآن کے ترجمہ وتفسیر کا کام ہوا ہے اور اردو زبان بھی اس خیر و برکت سے محروم نہیں ہے۔ اردو میں جو تفسیری کام ہوا ہے وہ کمیّت اور کیفیت دونوں اعتبار سے بلا مبالغہ بڑا وقیع اور منفرد ہے۔

اس وقت جو تفسیر میرے زیر مطالعہ ہے اس کا نام ''احسن الحدیث'' ہے اور اس کے مصنّف شیعہ عالم علامہ طالب جوہری ہیں جو لاہور (پاکستان) کے رہنے والے ہیں۔ اس اعتراف میں کوئی حرج نہیں کہ میں اب تک صاحبِ تفسیر کے نام اور کام دونوں سے واقف نہیں تھا۔ خیر، دیر ہی سے سہی، اس عمدہ تفسیر کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی [1]۔

''احسن الحدیث'' کی جلد دوم جو سورۂ بقرہ (آیات ۸۷-۱۷۹) کی تفسیر پر مشتمل ہے، کے شروع میں صاحبِ تفسیر نے 'حرف آغاز' کے عنوان سے چند اہم تفسیری مباحث پر گفتگو کی ہے۔ میں اس مضمون میں اپنی بحث کو ان ہی مباحث تک محدود رکھوں گا۔ فاضل مفسر نے 'حرف آغاز' میں سب سے پہلے جس عنوان کے تحت گفتگو کی ہے وہ ''نزول قرآن'' ہے، اور اس کے بعد دوسرا عنوان ''وجود خدا کی دو مستقل دلیلیں'' ہے۔ اوّل الذکر عنوان سے میں اس لیے تعرض نہیں کروں گا کہ اس پر آگے ایک اور عنوان کے تحت گفتگو آ گئی ہے۔ دوسرا عنوان میرے نزدیک تفسیر سے غیر متعلق ہے اس لیے اس کو بھی چھوڑتا ہوں۔ اس کے آگے ''ابلاغی حیثیت'' کا عنوان ہے اور اسی سے میں اپنی بات کا آغاز کرتا ہوں۔

اس عنوان کے تحت صاحبِ تفسیر نے عمدہ بحث کی ہے اور ایک اہم سوال اٹھایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ: ''یہ قرآن جو ہادی بھی ہے اور اللہ کی حجّت بالغہ بھی، کیا اپنے ابلاغ میں مستقل ہے یا سہاروں کا محتاج ہے۔ اسے معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم خود قرآن کے بیانات کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وہ خود اپنے متعلق کیا وضاحت فرماتا ہے۔ اس مقام پر فقط چند مثالیں درج کی جاتی ہیں: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ، (البقرۃ:۲/۲)، هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرۃ:۱۸۵/۲)، وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل:۸۹/۱۶)، كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (ہود:۱/۱۱)، كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (ابراہیم:۱/۱۴)، الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَل لَّهُ عِوَجًا (الکہف:۱/۱۸)، كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (حم سجدہ: ۳/۴۱)، وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القمر:۱۷/۵۴)۔

ان مثالوں کو نقل کرنے کے بعد فاضلِ مصنّف نے لکھا ہے: ''ان آیات سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ کتاب پوری انسانیت کے لیے ہدایت ہے، مسلمانوں، مومنوں، متّقیوں اور احسان کرنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔ یہ کتاب اپنے مضامین میں محکم بھی ہے اور مفصّل بھی۔ اس کتاب کے ذریعہ انسان تاریکیوں سے نور کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب نصیحت حاصل کرنے کے لیے خوش خبری دینے والی بھی ہے اور ڈرانے والی بھی۔ مذکورہ آیات سے یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ قرآن مجید اپنے ابلاغ اور اپنے معانی و مطالب کے بیان میں بہت صریح اور واضح ہے اور اسے ہر درجہ کا انسان اپنی سطح کے مطابق سمجھ بھی سکتا ہے اور اس سے استفادہ بھی کرسکتا ہے۔ یعنی یہ کوئی مشکل، مغلق اور گنجلک کتاب نہیں ہے، جسے عقل انسانی نہ سمجھ سکے اور نتائج کا استنباط و استخراج نہ کرسکے[۳]''۔

اس اہم اور مفید گفتگو کے بعد فاضل مفسر نے ''قرآن فہمی میں عقل کا کردار'' کے عنوان سے بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کئی ایک آیتیں نقل کرکے واضح کیا ہے کہ اللہ نے اپنی آیات میں تدبّر کا حکم دیا ہے، اس لیے ''ہر انسان کو حق ہے کہ وہ اسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھے اور سمجھے اور اس کے مطالب میں غور و فکر اور تعقل اور تدبر سے کام لے اور بقدر استعداد نصیحت حاصل کرے۔ یہ کتاب بھیجی ہی اس لیے گئی ہے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے اور اس نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی جائے جس نتیجے تک یہ کتاب پہنچانا چاہتی ہے''۴۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس تدبّر کا تعلق ان آیات سے ہے جن کو قرآن میں ''محکمات'' کہا گیا ہے، آیاتِ متشابہات اس میں داخل نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن ''احسن التفسیر'' کے مصنف کا خیال ہے کہ آیاتِ متشابہات کا علم اللہ کے علاوہ ان لوگوں کو بھی ہے جن کو قرآن میں ''الرّٰسخون فی العلم'' کہا گیا ہے۵۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''انسان متشابہات کے مفہومِ واقعی تک رسائی نہیں حاصل کرسکتا ہے سوائے اس کے کہ اللہ اور راسخون فی العلم سے ان کے بارے میں معلوم کرے اس لیے کہ ایسی آیتوں کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے کہ مرادِ الٰہی کیا ہے۶۔''

صاحبِ احسن التفسیر کی طرح بعض دوسرے مفسروں نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کے متداول نسخوں میں آیت ''وَمَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ'' کے درمیان علامتِ فصل میم (م) لگی ہوئی ہے۔ اس فصل سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ متشابہات کا حقیقی علم صرف اللہ کو ہے، کسی دوسرے کو یہ علم حاصل نہیں ہے حتی کہ جو لوگ علم میں رسوخ رکھتے ہیں (الراسخون فی العلم) وہ بھی اس کے صحیح علم سے بے بہرہ ہیں۔ آگے کی آیت: یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے (یعنی محکمات اور متشابہات دونوں طرح کی آتیوں کو اسی نے نازل کیا ہے) سے اس فصل کی تائید ہوتی ہے۔ اسی سلسلۂ بیان میں راسخین علم کی جو دعا نقل ہوئی ہے اس سے اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے۔ بعض دیگر مفسرین کی طرح علامہ جوہری نے بھی اس دعا کو نظر انداز کیا ہے۔ دعا ملاحظہ ہو:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ. رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ (آل عمران:۳/۸-۹)	خدایا، ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو کج روی سے بچا اور ہمیں اپنے لطف و رحمت سے نواز دے کہ تو ہی منعم حقیقی ہے۔ خدایا، تو ایک دن سارے انسانوں کو جمع کرے گا اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

''لاتزغ قلوبنا'' کا جملہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ آیات متشابہات میں غور وفکر کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلے گا کہ دل و دماغ میں شکوک پیدا ہوں جیسا کہ بہت سے اہل علم اس کا شکار ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل محدود عالم غیر مادی کے احوال و حقائق کے فہم و ادراک سے عاجز ہے اور اس عجز و درماندگی کا اعتراف ہر دور میں اصحابِ فکر ونظر نے کیا ہے۔ یہی روش ان اہل ایمان کی بھی ہے جو علم میں مرتبہ رسوخ پر فائز ہوتے ہیں۔ اپنے تمام علمی فضل و کمال کے باوجود وہ نارسائی عقل کا اعتراف کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدایا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری کتاب کے حصۂ متشابہات کو پڑھ کر ذہن میں کوئی شک پیدا ہو جائے اور انجام کار دل کی کجی کا باعث ہو۔

عالم غیر مادی کے حقائق کا کشف و ادراک تو بڑی چیز ہے انسان تو اس سے کم تر درجہ کی چیزوں کے فہم سے قاصر ہے۔ قرآن میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روح (وحی) کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ کیا چیز ہے (يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ) ، تو اس کے جواب میں فرمایا گیا: قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل: ۱۷/۸۵) ''کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے (اس لیے تم روح کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے ہو)''۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب انسان روح کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے تو وہ ان مابعد الطبیعیاتی امور کا احاطہ کس طرح کر سکتا ہے جو آیاتِ متشابہات کا موضوع ہیں۔ ایک مومن کے لیے ان آیات پر مجمل ایمان کافی ہے اور اسی میں اس کے قلب و دماغ دونوں کی طمانیت ہے۔

اسی سلسلۂ بیان میں علامہ جوہری نے محکمات کو بھی متشابہات کے خانے میں رکھ دیا ہے کہ ان تک عام انسانی فکر کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔ ان کے فہم کے لیے راسخین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم کی مراجعت کے بغیر چارہ نہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ کتاب کے اکثر احکام مجمل ہیں اور عبادات کی تفصیلات بھی اس میں نہیں دی گئی ہیں۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

''اس کتاب کے محکمات ہوں یا متشابہات، ان میں بطون ہیں اور ان کے بطون کے اندر بطون ہیں اور یہ اتنے تہ دار ہیں کہ ان تک رسائی ممکن نہیں ہے ﷺ اُن کے علاوہ اس کتاب کے بیان شدہ احکام میں بہ کثرت اجمال ہے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے تفصیلات ظاہر کتاب سے بغیر کسی خارجی استمداد کے حاصل نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا قرآن فہمی کے لیے ایسے ذرائع کو تلاش کرنا ہوگا جو احکام کی تفصیلات سے آگاہ کریں۔ قرآن کے حقائق و دقائق سے روشناس کراسکیں اور جن کے ذریعہ ہمیں حتمی طور پر کسی آیت میں مرادِ الٰہی معلوم ہوسکے'' ۷۔

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کا بیشتر حصہ لوگوں کے لیے ناقابلِ فہم ہے حالاں کہ اس سے پہلے علامہ جوہری لکھ چکے ہیں کہ ''یہ کوئی مشکل، مغلق اور گنجلک کتاب نہیں ہے جسے عقل انسانی نہ سمجھ سکے اور نتائج کا استنباط اور استخراج نہ کرسکے'' ۸۔

اس تضادِ بیان کے علاوہ علامہ جوہری قرآنی احکام میں اجمال کی حقیقی وجہ کے فہم سے قاصر رہے۔ اصحابِ علم جانتے ہیں کہ قرآن میں زیادہ تر احکام کے کلیات بیان کیے گئے ہیں، ان کے عملی جزئیات سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے عملی جزئیات کا تعلق زمانے کے احوال وظروف سے ہے اور وہ برابر بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی کوئی ایک متعین صورت ہر دور کے لیے کافی نہیں ہوسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمّہ کیا گیا اور آپ نے اس دور کے احوال اور عربوں کے عرف و عادات کا لحاظ کر کے کلّی احکام کے عملی جزئیات متعین فرمائے۔ آئندہ بھی ان کلّی احکام کی روشنی میں سننِ مستخرجہ کی مدد سے حسبِ ضرورت نئے جزئیات نکالے جاسکتے ہیں۔

عبادات کا معاملہ اس سے تھوڑا مختلف ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن میں وضو کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طریقہ بیان کیا گیا (سورہ المائدہ: ۶/۵) لیکن نماز پڑھنے کا طریقہ تفصیل سے نہیں بتایا گیا، کیا چند جملوں میں ان کی تفصیل نہیں ہو سکتی تھی؟ اس طرح زکوٰۃ کے مصارف کا ذکر تو کیا گیا (سورہ۔ التوبہ: ۶۰/۹) لیکن اس کا نصاب مقرر نہیں کیا گیا۔ آخر کیوں؟ ان سوالات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نماز کی ادائیگی کی شکل و صورت متعین نہ کر کے اہلِ ایمان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ نماز میں اشکال کو نہیں اس کی روح کو اہمیت حاصل ہے۔ ہر نبی کی نماز کا طریقہ الگ الگ رہا ہے۔ اگر عبادت کے رسوم و اشکال کو اہمیت حاصل ہوتی تو پھر سارے انبیاء کا طریقۂ نماز ایک ہی ہوتا۔

زکوٰۃ کا نصاب اس لیے نہیں مقرر کیا گیا کہ اس کا تعلق معاشی حالات سے ہے اور اس میں تغیّر ناگزیر ہے۔ کوئی ایک نصاب تمام ادوار کے لیے کفایت نہیں کر سکتا ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کے اکثر علماء و فقہاء نصاب کے عدمِ تعیّن کی اس علّت کو آج تک نہیں سمجھ سکے ہیں اور اس سے پیہم تغافل برت رہے ہیں۔

قرآن کے حقائق و دقائق کے متعلق صاحبِ تفسیر نے لکھا ہے کہ ان کے صحیح فہم کے لیے ذرائع تلاش کرنے ہوں گے۔ لیکن انھوں نے واضح نہیں کیا کہ یہ کون سے ذرائع ہیں؟ اگر اس سے مراد قرآن میں تدبر اور اس کے نظائر سے استفادہ ہے تو پھر ان کی بات سے اتفاق نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ان کا شمار قرآن فہمی کے معتبر ذرائع میں ہوتا ہے اور ان کی مدد سے مرادِ الٰہی کو بالکل صحیح طور پر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ''ذرائع'' سے ان کی مراد کچھ اور ہے یعنی کچھ متعیّن اشخاص تو پھر ان کی بات صحیح نہیں ہے۔ قرآن فہمی کا دروازہ ہر صاحبِ علم کے لیے کھلا ہے اور جو شخص ایمان داری اور طلبِ صادق کے ساتھ قرآن کے حقائق و معارف تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہو، اس کو قرآن میں تدبّر کا حق حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو کافروں تک کو قرآن میں تدبّر کی دعوت دی ہے تاکہ حق ان پر آشکارا ہو سکے۔ فرمایا گیا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: ۲۴/۴۷)

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا ان کے دلوں پر تالا چڑھا ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے ''بیان رسول'' کے عنوان سے صاحبِ تفسیر نے جو بحث کی ہے اس میں بھی انھوں نے وہی غلطی کی ہے جس کا ارتکاب وہ اوپر کی بحث میں کر چکے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے: ''اس کتابِ مطہر میں آیات متشابہات کا وجود ہے، اس کے اوامر ونواہی میں اجمال ہے اور اس میں تہ در تہ بطون ہیں، یہ تینوں باتیں خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب وارثِ کتاب کے بغیر نہ پوری سمجھی جاسکتی ہے اور نہ اس پر پوری طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کتاب کی توضیح وتشریح کی ذمہ داری اللہ کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القیامہ:۱۹/۷۵) ''پھر یقیناً اس کا کھول کر بیان کرنا ہماری ہی ذمہ داری ہے''۔ بیان کی اس زمہ داری کو پروردگار عالم نے پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ پورا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (النحل:۴۴/۱۶) (اور ہم نے اس ذکر کو تم پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کردو اسے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے تاکہ وہ غور وفکر کریں)۹؎۔

علامہ جوہری کا یہ خیال کہ قرآن وارثِ کتاب کے بغیر ناقابلِ فہم ہے، خود ان کے اپنے قول کے خلاف ہے اور اس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لیے مان لیتا ہوں کہ تفہیمِ قرآن وارثِ کتاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس صورت میں لازماً سوال پیدا ہوگا کہ کیا وارثِ کتاب نے قرآن کی جملہ آیت کی تفسیر کردی ہے اور اس کو لفظاً محفوظ بھی کرادیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقع قرآن کی تفسیر بیان کردی ہوتی اور اس کو محفوظ بھی کرادیا ہوتا تو پھر وہی سب کے لیے مرجع اور حجت ہوتی اور اس کی موجودگی میں کسی دوسری چیز کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت تفسیری اختلافات ہیں اور یہ اختلافات ان لوگوں کی تفسیروں میں بھی پائے جاتے ہیں جو تفسیر بالحدیث کے قائل ہیں، حتیٰ کہ ان لوگوں نے اپنی تفسیروں میں اسرائیلیات کے بیان سے بھی احتراز نہیں کیا ہے۔ موضوع روایات اس کے علاوہ ہیں۔ اور کچھ نہیں تو تفسیر طبری اور تفسیر ابن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثیر ہی کو اٹھا کر دیکھ لیں بات واضح ہو جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پورے قرآن کی تفسیر کا انتساب تو بڑی چیز ہے، آپ سے چند سورتوں کی تفسیر بھی ثابت نہیں ہے۔ حدیث کی کتابوں میں جو ابواب التفسیر ہیں ان میں چند ہی مرفوع روایتیں ہیں، زیادہ تر مراسیل ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے پورے قرآن کی تفسیر کیوں نہیں کی کہ اُمت میں اختلافِ فکر و عمل واقع نہ ہوتا؟ وجہ بالکل واضح ہے۔ قرآن اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے، جہاں بظاہر غیر واضح ہے تدبّر کے بعد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ اور عہدِ صحابہ میں جو لوگ ذی علم تھے وہ قرآن کے حصۂ محکمات کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور کیوں نہ سمجھتے کہ زبان اور اسالیبِ بیان ان کے تھے، احوالِ نزول ان کی نظروں کے سامنے تھے اور ان کے سینے نورِ ایمان سے منوّر تھے۔ رہا قرآن کی آیاتِ متشابہات کا معاملہ تو وہ اس سے بالکل تعرض نہیں کرتے تھے۔

کسی شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے "یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ" میں "یوم" کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "فما یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ" (جو دن بھی ہو اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے)۔ سائل نے کہا، میں نے اس کا مطلب دریافت کیا ہے۔ فرمایا: "ھما یومان ذکر ھما اللہ فی کتابہ، واللہ اعلم بھما" (یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اللہ ہی ان کو بہتر طور پر جانتا ہے)[۱۰]۔

علامہ جوہری نے اپنے مذکورہ خیال کی تائید میں دو آیتیں پیش کی ہیں، ایک سورۂ قیامہ کی یہ آیت ہے: اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (ہمارے ذمہ ہے اس کی تفصیل و وضاحت) اور پھر کسی عقلی و نقلی دلیل کے بغیر لکھ دیا کہ اس تفصیل کا کام اللہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا تھا۔ اگر یہ تفسیر بالرّائے نہیں ہے تو پھر کس چیز کو تفسیر بالرائے کہیں گے۔ لیکن اس میں تنہا ان کی خطا نہیں ہے، شیعہ اور سنی دونوں علماء نے اس آیت کی یہی تاویل کی ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اللہ نے اپنی آیت کی تبیین خود کی ہے، یہ کام اس نے کسی اور کے سپرد نہیں کیا ہے جیسا کہ قرآن کی متعدد آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الٓرٰ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ (ہود:۱۱/۱)

آلرا، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں (پہلے) محکم کی گئی ہیں، پھر خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس کتاب کی آیات اگر کہیں مجمل ہیں تو دوسری جگہ ان کی تفصیل کر دی گئی ہے تاکہ مفہوم بالکل واضح ہو جائے، مختلف سورتوں میں احکام کے ذکر کے بعد یہ جملہ تقریباً ہر جگہ آیا ہے: كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ (اسی طرح اللہ اپنے احکام کو واضح کرتا ہے) (البقرۃ:۲/۲۴۱)، سورہ نساء میں ہے: يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (آیت/۱۷۶) (اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کی توضیح کرتا ہے کہ مبادا تم گم راہ ہو جاؤ، اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔ ان آیات کا تعلق جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، آیاتِ احکام کی تبیین سے ہے۔ عام آیات کی تبیین کے لیے قرآن نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قرآن کی اصطلاح میں تصریفِ آیات" ہے، یعنی ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ و اسالیب میں بیان کرنا تاکہ اس کا مفہوم بالکل واضح ہو جائے، کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ مثلاً ایک جگہ ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (الانعام:۶/۶۵)

دیکھو، ہم کس طرح اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ لیں۔

دوسری آیت جسے علامہ جوہری نے اپنے خیال کے اثبات میں پیش کیا ہے اس کا تعلق سورۂ نحل سے ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل:۱۶/۴۴)

اور ہم نے اس ذکر کو تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے لیے اس کو کھول کر بیان کر دو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

اس آیت میں تبیین کا یہ مطلب نہیں جیسا کہ علامہ جوہری اور دوسرے بہت سے علماء مفسرین نے سمجھا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ ذکر کو کھول کر یعنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیں۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر ماننا ہوگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ خدا کی کتاب غیر واضح ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ کے کلام کو غیر واضح کہنا سوئے ادب اور اس کی توہین کے مترادف ہے۔ وہ کلام کیوں کر غیر واضح ہو سکتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے وہ عربی مبین (النحل: ۱۶/۱۰۳) اور سلیس اسلوب میں نازل ہوا ہے، جس میں کوئی کجی نہیں (الزمر: ۳۹/۲۸)

زیرِ بحث آیت کی تفہیم میں دشواری کی اصل وجہ یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے جن میں ''احسن الحدیث'' کے مصنف بھی شامل ہیں 'تبیین' کو توضیح وتشریح کے معنی میں لیا ہے۔ اس کے ایک دوسرے معنی کسی بات کو بے کم و کاست بیان کرنے کے بھی ہیں اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ہر رسول کے فریضۂ رسالت میں یہ بات داخل تھی کہ وہ خدا کے پیغام کو اس کے بندوں تک جوں کا توں پہنچا دے، جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ: ۵/۶۷)

اے رسول، جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے (جوں کا توں اس کے بندوں تک) پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کا پیغام (ٹھیک ڈھنگ سے) نہیں پہنچایا۔

معلوم ہوا کہ اگر پیغامِ حق کو بے کم و کاست لوگوں تک نہیں پہنچایا گیا تو اس پر 'تبیین' کا اطلاق نہ ہوگا۔ علماء یہود تورات کی بہت سی باتوں بالخصوص آخری نبی کی بعثت سے متعلق خبروں کو یہودی عوام سے چھپاتے تھے۔ اس کتمان کو عدمِ تبیین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ. إِلَّا الَّذِينَ

جو لوگ ہمارے نازل کردہ واضح احکام و ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حالیکہ ہم نے انھیں کتاب (توریت) میں نہایت صراحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا، ان (مجرموں) پر یقیناً خدا کی لعنت ہے اور دوسرے لعنت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ وَبَيَّنُواْ فَأُوْلَـٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(البقرۃ:۲/۱۵۹-۱۶۰)

کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ البتہ جو لوگ توبہ و اصلاح کرلیں اور (جن باتوں کو پہلے چھپاتے تھے ان کو) کھول کر بیان کریں تو ان کی توبہ میں ضرور قبول کروں گا۔ میں بڑا قبول کرنے والا اور مہربان ہوں۔

ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ سورۂ نحل میں جہاں تبیین کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کی گئی ہے وہاں اس کا مطلب آیت کی معنوی توضیح وتشریح نہیں ہے کہ یہ کام خوداللہ نے ایک بے نظیر طریقۂ وضاحت کے ذریعے کردیا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

"بیان رسول" کے بعد علامہ جوہری نے ایک حدیث نقل کی ہے جو "حدیثِ ثقلین" کے نام سے معروف ہے۔ اس حدیث کا متن اوراس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

عن ابی سعید الخدری ؓ قال، خطب رسول الله صلی الله علیه واله وسلم فقال: یا ایها الناس انی ترکت فیکم الثقلین خلیفتی، ان اخذتم بهما لن تضلو بعدی، احدهما اکبر من الآخر، کتاب الله، حبل ممدود من السمآء الی الارض، و عترتی وهم اهل بیتی،لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض (اورده الثعلبی و ذکر الامام احمد بن حنبل فی مسنده)[۱۱]۔

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو! میں تم میں دو اہم چیزوں کو اپنا خلیفہ قرار دے کر جارہا ہوں۔ اگر انھیں تھامے رہوگے تو ہرگز ہرگز گم راہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک کھنچی ہوئی رسی ہے اور دوسری میری عترت ہے جو میرے اہل بیت ہیں۔ یہ ہرگز ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچیں گے، (اس روایت کو ثعلبی نے نقل کیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔

علامہ جوہری نے اس روایت کو نقل کرنے میں دیانت داری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ بعض الفاظ انھوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں، مثلاً "خلیفتی"، "هم"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وغیرہ۔ متن میں ہم نے یہ الفاظ خط کشیدہ کردیے ہیں۔ "المعجم الکبیر" میں ابوسعید خدریؓ سے یہ حدیث ان لفظوں میں روایت ہوئی ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال،قال النبی صلی الله علیه وسلم: ایها الناس ، انی تارك فیكم ما ان اخذتم به لن تضلوا بعدی،امرین ، احدهما اكبر من الآخر ، كتاب الله،حبل ممدود بین السمآء والارض، و عترتی اهل بیتی ، وا نهما لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض [12]

اس روایت میں "ثقلین" کے بجائے "امرین" کا لفظ ہے۔ طبرانی نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جو ابوسعید خدریؓ ہی سے مروی ہے، اس میں "ثقلین" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ البتہ سلسلۂ روایت میں عطیہؒ کو چھوڑ کر بقیہ راوی مختلف ہیں اور مضمون میں بھی اضافہ ہے۔ روایت ملاحظہ ہو:

عن ابی سعید الخدریؓ قال: كانّی قد دعیت فاجبت، فانی تارك فیكم الثقلین، كتاب الله ، حبل ممدود بین السماء و الارض، و عترتی اهل بیتی، و انهما لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض ، فا نظر كیف تخلفونی فیهما [13]

امام مالکؒ کی مؤطا میں "امرین" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور "عترتی اهل بیتی" کی جگہ "سنة نبیه" کے الفاظ ہیں۔ روایت اس طرح ہے:

قال: تركت فیكم امرین لن تضلوا ما تمسّكتم بهما، كتا ب الله و سنة نبیه [14]

حاکم کی مستدرک میں یہی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بایں الفاظ مروی ہے:

قال رسول الله : انی قد تركت فیكم شیئین ، لن تضلوا بعدهما: كتاب الله و سنّتی ، ولن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض [15]

مؤطا کے برخلاف اس روایت میں "امرین" کی جگہ "شیئین" اور "سنّة نبیّه" کی جگہ "سنّتی" ہے، لیکن مفہوم میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ اس کا آخری جملہ "ولن یتفرقا الخ" مؤطا میں نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں یہ تمام الفاظ حذف ہوگئے ہیں اور صرف کتاب اللہ سے اعتصام کی بات کہی گئی ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به: کتاب اللہ ۱۵الف

اے لوگو، میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑے رہو گے تو ہرگز گم راہ نہ ہو گے، اور وہ کتاب اللہ ہے۔

مندرجہ بالا تمام روایتوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ قولِ رسول میں حذف واضافہ ہوا ہے۔ اہلِ تشیّع نے کتاب اللہ کے ساتھ "عترتی اھل بیتی" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا تاکہ ان کے فرقہ کے لیے ایک مضبوط دینی اور تاریخی استناد حاصل ہو۔ اہلِ تسنّن نے شیعوں کے برخلاف اپنے مسلک کے مطابق "عترتی" کو حذف کر کے "سنّۃ نبیہ" یا "سنّتی" کے الفاظ بڑھا دیے۔ اس طرح انھوں نے بھی تسلیم کر لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اہلِ ایمان کے مجمع سے جو خطاب کیا اس میں کتاب اللہ کے ساتھ ایک دوسری چیز کے تمسّک کا بھی ذکر تھا لیکن وہ "عترتی" کے بجائے 'سنّت رسول' تھی۔ لیکن درحقیقت ایسا نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ متذکرہ بالا اقوالِ رسول میں کون سا قول صحیح ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایک ہی بات ارشاد فرمائی ہوگی۔ راقم الحروف کی تحقیق کے مطابق صحیح مسلم کی محوالہ بالا حدیث (نمبر ۱۲۱۸) صحیح ہے جس میں صرف کتاب اللہ سے اعتصام کی بات کہی گئی ہے، بقیہ دو اقوال جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ اصولِ درایت کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ اسی زمرے میں صحیح مسلم کی وہ روایت بھی آتی ہے جس میں کتاب اللہ کے ساتھ 'عترتی' کا لفظ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ. وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ (آل عمران:۳/۱۰۲-۱۰۳)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور زندگی کی آخری سانس تک اللہ کی اطاعت پر قائم رہو۔ اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور (باہم) تفرقہ نہ کرو (یعنی فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ)۔

مذکورہ آیات میں مسلمانوں کو جس چیز کے پکڑنے کی تاکید کی گئی ہے وہ "حبل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ“ ہے۔ تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے۔ خود حدیثِ ثقلین میں 'کتاب اللہ' کے ٹھیک متصل ”حبل ممدود من السمآء الی الارض“ کے الفاظ ہیں، جو دراصل کتاب اللہ کی وضاحت ہے کہ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق کا سب سے مضبوط ذریعہ قرآن مجید ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایسی حدیث قابلِ قبول نہیں ہے جو قرآن کے متن کے خلاف ہو۔ صاحبِ ”احسن التفسیر“ نے بھی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”اگر تمہارے پاس میری کوئی حدیث پہنچے تو اسے قرآن سے ملا کر دیکھ لو۔ اگر وہ قرآن کے موافق ہے تو اسے قبول کرو اور مخالف ہو تو اسے رد کردو“۱۶۔ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

> ”یہ روایت اس نظریہ پر برہانِ قاطع ہے کہ قرآن سمجھ میں آنے والی کتاب ہے، احادیث کے صحت و سقم کی میزان ہے۔ احادیث اس پر حجت نہیں ہیں بلکہ وہ احادیث پر حجت ہے اور یہی اس کا ثبوت ہے“ ۱۷۔

نقدِ حدیث کے اس عمدہ اصول کے لحاظ سے 'حدیث ثقلین' کی صحت محلِ نظر ہے، کیوں کہ اس کا بیشتر حصہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے موافق نہیں ہے۔ اس کا صرف ابتدائی حصہ جس میں ”حبل ممدود“ سے تمسک کا ذکر ہے، مطابقِ قرآن ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت پر گفتگو کرتے ہوئے ہم نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ فاضل مفسر نے حدیث ثقلین کی بنیاد پر جو تاریخی نتائج نکالے ہیں وہ خود بخود غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔

”ظواہر قرآن“ کے عنوان سے فاضل مفسر نے جو بحث کی ہے اس سے راقم کو پورا اتفاق ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ: ”ہر لفظ ایک مخصوص معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہے اور جب وہ بولا جاتا ہے تو اس سے وہی مخصوص معنی سمجھے جاتے ہیں، یعنی متکلم اور سامع دونوں کے ذہن میں لفظ کے یکساں معنی موجود ہوتے ہیں ...... اسی بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ قاعدہ کلیہ طے کیا گیا ہے کہ لفظ کا ظاہری مفہوم حجت ہے۔ اس قاعدے میں فقط اسی صورت میں استثناء ہوگا جب کہ قرینہ یا عقلی دلیلوں سے یہ معلوم ہو جائے کہ لفظ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ظاہری معنی کے علاوہ کسی اور مفہوم میں استعمال ہوا ہے“ ۱۷۔

انھوں نے فہمِ قرآن کے بعض مصادر کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) آیت سے متعلق دیگر آیات، (۲) روایاتِ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ، (۳) اقوالِ صحابہ و تابعین، (۴) آراءِ مفسرین، (۵) ذاتی تدبر ۱۹۔ افسوس کہ انھوں نے ان مصادر کی توضیح و تفصیل نہیں کی ہے۔ ان مصادر میں پہلا مصدر یعنی ایک آیت کی تفسیر دوسری مماثل آیات سے کرنا جسے تفسیر بالنظائر کہا جاتا ہے، اکثر اہلِ تفسیر کے نزدیک ایک عمدہ طریقۂ تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے جن مصادر کا ذکر کیا ہے یعنی روایاتِ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ، اقوالِ صحابہ و تابعین اور آراءِ مفسرین، ان کی حیثیت فروع کی ہے اور ان کو اس وقت تائید کے طور پر لانا مفید ہوگا جب تدبّر اور نظائرِ قرآن کی مدد سے آیت کا ایک قطعی مفہوم متعیّن کیا جا چکا ہو۔

فاضل مفسر نے نظائر کی مدد سے سورۂ بقرہ کی تفسیر نہایت خوبی کے ساتھ کی ہے اور بہت سی مشکل آیات کے صحیح مفہوم تک پہنچنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو، فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ (البقرۃ:۲/۸۷)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح معجزے عطا کیے اور انھیں روح القدس سے تقویت بخشی۔

اس آیت کے دوسرے فقرے ”وقفینا من بعدہ بالرّسل“ کی تفسیر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے: ”قفینا“ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ سارے رسول صاحبانِ شریعت نہیں تھے بلکہ شریعت موسیٰ کے پیرو تھے۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ مذکورہ رسولوں سے الگ کیا گیا جو اس بات کا اظہار ہے کہ یہ صاحب شریعت رسول ہیں۔ اس مطلب کی وضاحت کے لیے یہ آیۂ مبارکہ قابل غور ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُم

اور دونوں کی نسل میں نبوت و کتاب قرار دی۔ سو ان میں ہدایت یافتہ بھی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُّهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ. ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ (الحدید: ۵۷/۲۶-۲۷)

اور ہم نے نوح وابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور بہت سے ان میں نافرمان بھی ہیں۔ پھر ہم ان کے بعد رسولوں کو یکے بعد دیگر بھیجتے رہے اور ان کے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل عطا کی۔

اس آیت میں "قفینا" کا فقرہ دوبارہ استعمال ہوا ہے۔ پہلے "قفینا" (علی آثارھم) سے مراد کتاب اور شریعت ہے جس میں تورات شامل ہے اور دوسرے "قفینا" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ عیسیٰ شریعتِ توریت کی مکمل ناسخ تھی۔ لیکن اس کے فوراً بعد انجیل کا تذکرہ بتلاتا ہے کہ کچھ احکامات یقیناً شریعت عیسیٰ میں توریت سے الگ تھے جیسا کہ آیت میں مذکور ہے: وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ (المائدۃ: ۵/۴۶) "اور ہم نے ان (اسرائیلی انبیاء) کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا، وہ اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والے تھے، اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے"۔ مزید وضاحت اس آیۂ مبارکہ سے ہوتی ہے: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران: ۳/۵۰) "اور توریت جو مجھ سے پہلے آچکی ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور (اس لیے آیا ہوں کہ) جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں ان میں سے بعض کو تم پر حلال کردوں۔" یعنی توریت کے سارے محرمات حرفِ آخر نہیں ہیں۔ اس آیۂ مبارکہ کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب یہ جملہ جو انجیل میں نقل ہوا ہے وہ نادرست قرار پاتا ہے: "کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک لفظ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا[۲۰]۔" اس لیے کہ اس جملے سے توریت کا ہر حکم قیامت تک کے لیے حرف آخر قرار پاتا ہے"[۲۱]۔

"وایدناہ بروح القدس" کی تفسیر بھی انھوں نے انجیل کے حوالوں سے نہایت دل نشیں انداز میں کی ہے لیکن یہاں گنجائش نہیں کہ اس کو بیان کیا جائے[۲۲]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب ''احسن الحدیث'' نے تفسیر بالرّائے پر بھی عالمانہ گفتگو کی ہے۔ انھوں نے 'رائے' کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''رائے درحقیقت وہ عقیدہ و نظریہ ہے جسے انسان کسی گمان غالب کے سبب اپنا لیتا ہے جیسا کہ راغب اصفہانی نے مفردات میں تحریر کیا ہے: (۱) اس اعتبار سے اگر انسان پہلے سے ایک عقیدہ یا نظریہ رکھتا ہو اور اسے ثابت کرنے کے لیے آیات قرآن کو کھینچ تان کر مختلف غیر مانوس طریقہ ہائے استدلال کے ذریعہ خلافِ قواعد زبان و ادب اور خلافِ اصطلاحاتِ اہل شرع اپنے عقیدے کی تائید میں پیش کرے مگر اس کے مصداق یا مورد کو اپنے نظریے کے اثبات کے لیے تبدیل کردے اور کہے کہ یہ آیت فلاں سے نہیں بلکہ فلاں سے متعلق ہے یا یہ فلاں مورد میں نہیں بلکہ فلاں مورد میں نازل ہوئی ہے، (۳) ایسی تفسیر کرے جو عقل سلیم اور منطق صحیح کے بالکل خلاف ہو، (۴) قرآن فہمی کے اصول و قواعد اور لازمی علوم کو حاصل کیے بغیر آیات قرآنی میں اپنی رائے قائم کرے۔ ان تمام صورتوں میں انسان اپنی رائے کو قرآن کے مطابق نہیں کرنا چاہتا بلکہ آیات قرآنی کو اپنی رائے کے تابع کرنا چاہتا ہے۔ یہ ناپاک عمل ایک ناقابلِ تلافی جسارت ہے۔ یہ بات اگر نہ ہو اور لغوی و ادبی، عقلی یا دیگر قرائن کے ذریعہ آیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو تو یہ تفسیر بالرّائے نہیں ہے''۲۳۔

فاضل مفسر نے نظمِ قرآن جیسے اہم تفسیری اصول کا ذکر نہیں کیا ہے حالاں کہ تفہیمِ قرآن میں یہ اصول بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کوشش کے باوجود بعض آیات کے حقیقی مفہوم کا ادراک نہیں کرسکے ہیں۔ اس کی ایک مثال 'حرف آغاز' ہی سے پیش ہے۔

انھوں نے ''نزولِ قرآن'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ قرآن کے چار نزول ہیں۔ پھر پہلے نزول سے متعلق سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات نقل کرکے لکھا ہے:

> ''ان آیات میں دو باتوں کی صراحت ہے۔ پہلی تو یہ کہ اللہ نے براہِ راست کسی کو قرآن تعلیم کیا ہے اور دوسری یہ کہ قرآن کی یہ تعلیم انسان کی تخلیق سے قبل ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم الٰہی سے قرآن کا پہلا نزول نور محمد پر ہوا ہے''۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بالکل تفسیر بالرّائے ہے۔ آیت کا وہ مفہوم نہیں جو صاحبِ تفسیر نے سمجھا ہے اوراس غلطی کی وجہ نظم کلام کی عدمِ رعایت ہے۔ اس سورہ سے پہلے سورۂ قمر ہے جس کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا ہے:'عند ملیک مقتدر' ۔اسی بادشاہِ باجبروت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ غیر معمولی طاقت وشوکت کے باوجود بے اندازہ مہربان (الرحمٰن) ہے۔ سورۂ قمر میں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ اس سے خوف کا ماحول پیدا ہوا، اسی ماحول کوختم کرنے کے لیے اگلی سورہ (رحمٰن) میں خدا کی متنوع نعمتوں کا ذکر ہوا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے حق میں بہت زیادہ مہربان ہے۔ اس کی سختی بھی جو کبھی کبھی بندوں کی سرکشی کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے، درحقیقت رحمت ہی کا ایک پہلو ہے۔ اس سختی کی غرض محض یہ ہے کہ بندے سرکشی کا رویّہ چھوڑ کر اس کی طرف پلٹ آئیں۔

سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات میں خدا کی تین اہم عنایتوں کا ذکر ہوا ہے۔ پہلی عنایت یہ ہے کہ اس نے قرآن کے ذریعے اپنے بندوں کو اپنی منشاء اور مرضی سے آگاہ کیا۔ اسی کام کے لیے آخری رسول مبعوث کیے گئے تھے۔ اس عنایت کو اگلی دو عنایتوں، یعنی تخلیق انسان اور اس کی قوت بیان (نطق) پر مقدّم کر کے بتایا گیا ہے کہ قرآن کوئی معمولی کتاب نہیں، وہ اس کے لطف وکرم کا ایک بڑا مظہر اور اس کے بے نہایت علم و حکمت کا آئینہ دار ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سورہ کا نام 'الرحمٰن' ہے جو اللہ کے بعد خالقِ کائنات کا دوسرا اسمِ ذات ہے۔ سورۂ فاتحہ میں یہ دونوں اسمِ ذات ایک ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

میں نے گزشتہ صفحات میں ''احسن الحدیث'' کے مقدمہ (حرف آغاز) کے اہم مباحث کا جو تنقیدی جائزہ لیا ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ مباحث فہمِ قرآن میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن فاضل مفسر نے بعض مباحث کی تشریح میں اپنے مخصوص نظریہ ومسلک کو داخل کر دیا ہے اور یہ اس تفسیر کا سب سے بڑا عیب ہے، اور اسی عیب کی وجہ سے اپنی متعدد خوبیوں کے باوجود یہ تفسیر ایک مخصوص حلقہ کے باہر مقبولیت حاصل نہ کر سکے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی و مراجع

۱۔ راقم سطور علامہ عقیل الغروی (دہلی) کا ممنون ہے کہ انھوں نے مجھے یہ تفسیر (احسن الحدیث) عنایت کی اور اس پر اظہارِ خیال کی دعوت دی۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

۲۔ طالب جوہری، احسن الحدیث، مطبوعہ شار آرٹ پریس، لاہور، (بار اول) ۲۰۰۲ء، ص ۱۳

۳۔ احسن الحدیث، محولہ بالا، ص ۱۳

۴۔ احسن الحدیث، ص ۱۵

۵۔ احسن الحدیث، ص ۱۵

۶۔ احسن الحدیث، ص ۱۵

۷۔ احسن الحدیث، ص ۱۶

۸۔ احسن الحدیث، ص ۱۳

۹۔ احسن الحدیث، ص ۱۶

۱۰۔ تفسیر طبری، طبع مصر، ۱۳۷۴ھ، ۲۹/۲-۷

۱۱۔ احسن الحدیث، ص ۱۷-۱۸

۱۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، (حدیث نمبر ۲۶۷۸)

۱۳۔ المعجم الکبیر، (حدیث نمبر ۲۶۷۹)

۱۴۔ الموطا، (حدیث نمبر ۲۶۱۸)

۱۵۔ المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب العلم، (حدیث نمبر ۳۱۸، ۳۱۹)

۱۵الف صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر ۱۲۱۸

۱۶۔ تہذیب الاحکام، ۷/ ۲۷۵، حدیث نمبر ۵ (بحوالہ احسن الحدیث، ص ۲۰)

۱۷۔ احسن الحدیث، ص ۲۰ (حرف آغاز)

۱۸۔ احسن الحدیث، ص ۱۸، ۱۹

۱۹۔ احسن الحدیث، ص ۲۱

۲۰۔ دیکھیں انجیل متی: باب ۵، فقرہ ۱۸

۲۱۔ احسن الحدیث، ص ۲۹، ۳۰

۲۲۔ احسن الحدیث، ص ۳۱، ۳۲

۲۳۔ احسن الحدیث، ص ۲۱، ۲۲

۲۴۔ احسن الحدیث، ص ۱۱

© rasailojaraid.com